عمل اجتہاد میں آزادی فکر کا کردار

URDU-THE ROLE OF FREEDOM OF THOUGHT IN IJTEHAD

Samina Naz [*], Dr. Khan Hafiz Munir Ahmed [**]

The Scholar Islamic Academic Research Journal || Web: www.siarj.com ||
P. ISSN: 2413-7480 || Vol. 4, No. 1 || Jan-June 2018 || P. 27-42

DOI: 10.29370/siarj/issue6ar2

URL: https://doi.org/10.29370/siarj/issue6ar2

ABSTRACT:

Allah commanded us through the Holy prophet (PBUH) for the routines of life. We need Ijtihad for those issues of modern era for which we do not have the solution in Quran and Sunnah. We have guided the method of Ijtihad by the Holy Prophet (PBUH). The first step for the Ijtihad is the freedom of thoughts and opinions. The life of our Holy Prophet (PBUH) helps us to know that how and when and for what goals he (PBUH) taught about Ijtihad and importance freedom of thought and opinion, to his companions (Allah bless them all). During the tenure of companions of Holy Prophet (PBUH) also give freedom of thoughts and opinion, which we known as the era of Khulfae Rashdeen. These teachings, we are aware the importance about how and why freedom of thoughts and opinions is necessary in Ijtihad. We found the many examples in history of Islam which caring the lot of events of teaching on Ijtihad and freedom of opinion. If we glance over the history of Islam, we find the best symbol of freedom of thoughts from the period of Holy prophet and Khulfae Rashdeen and particularly during the caliphate of Hadrat Umer Farooq Radi ALLAHu Ta'ala Anho. He set the example of freedom of thoughts for the public benefit. Allama Iqbal also mentioned about the freedom of

[*] PhD Scholar, Department of comparative Religion & Islamic Culture, University of Sindh, Jamshoro, email: sam.arain804@gmail.com

[**] Dean, Faculty of Islamic Studies, University of Sindh, Jamshoro Email: dean.istudies@usindh.edu.pk

thoughts in his poetry and lectures on Ijtihad. The freedom of opinions is the first condition of Ijtihad, where there is no freedom of opinion how Ijtihad would be possible. The restrictions free environment is required for Ijtihad so that people give their opinion clearly and talk freely and there should be element of tolerance in listeners. We found the best examples of freedom of opinions from life of the holy prophet, his companions and after that era of aima karams. Islam is not bound the person from their opinions in Ijtihad but it should not be against the Islamic values.

Keywords: Islam, Iqbal, Ijtehad, Consultation, Freedom of thought.

کلیدی الفاظ: آزادیِ رائے، اجتہاد، اقبال، اسلام، شوریٰ.

1. تعارف واہمیت:

عصر حاضر کے مسائل کو اجتہاد کے ذریعے شریعت کی طے کردہ حدود میں استوار کرنے کے لیے آزادی رائے کا ہونا ضروری ہے۔ کیوں کہ جہاں آزادی رائے نہ ہو وہاں عصر حاضر کے مسائل کو اجتہاد کے ذریعے حل کرنا ناممکن نظر آتا ہے۔ اس کے لیے ہمیں یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ عام انسان کے اندر تو حق و باطل کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ لیکن مجتہد کے لیے اس صلاحیت کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کی مقرر کردہ حدود کا علم ہونا بھی از حد ضروری ہے۔

اگر اس کے برعکس اجتہاد ہو گا تو وہ اسی طرح کا اجتہاد ہو گا جس کا اقبال نے یوں تذکرہ کیا ہے:

"خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں"

" ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق "(Iqbal 2009, P.18)

مسلکی اعتبار سے بالا تر ہو کر جو اجتہاد کیا جائے وہی اجتہاد آزادی رائے سے اجتہاد کہلا سکتا ہے۔ جو قرآن و سنت کی منشاء کے عین مطابق ہو۔

آزادی رائے انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ قدرت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اسے خیر و شر میں تمیز کرنے کی عقل و قوت دی ہے۔ اسلام نے ہر فردِ مسلم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مکلف بنایا ہے(*Al Quran*, 3: 110) ۔اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس کو اظہارِ رائے کی مکمل آزادی حاصل ہو رسول اللہ ﷺ نے سلطان جائر کے سامنے کلمہ

حق بلند کرنے اور اس کو راہِ حق کی طرف تلقین کو افضل جہاد قرار دیا ہے۔[1]

نبی کریم ﷺ کو براہ راست وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل تھی اور آپ کسی معاملے میں دوسروں سے مشورہ لینے کے محتاج نہ تھے لیکن اسلام میں شورائی نظام قانون سازی کے استحکام کے لیے چونکہ ضروری تھا کہ حضور اکرم ﷺ خود اپنے طرزِ عمل سے اس کی بنیاد رکھیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو مشاورت کا حکم کچھ یوں دیا ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (*Al Quran*, 3: 159)

"اور اپنے کاموں میں ان سے مشاورت لیا کرو"۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے معاملات میں مشورہ لیتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ایک دوسرے مقام پر مسلمانوں کے باہمی امور کی ترتیب ور ترکیب میں اصول مشاورت کی اہمیت کو یوں بیان کیا ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (*Al Quran*, 42:38)

"اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور جامع دین ہونے کے ساتھ ساتھ انسانوں کی جسمانی، روحانی تربیت کے علاوہ ان کی فکری تربیت کا بھی اہتمام کرتا ہے اور فکری تربیت کی بہترین نشو نما وہیں ہو سکتی ہے جہاں اظہارِ رائے کی آزادی ہو۔اسلام نے انسانوں کو شخصی، دینی، فکری اور سیاسی آزادی عطا کی ہے۔اسلام نے ہی غلامی کے خاتمے کے لیے بنیادی کردار ادا کیا۔

قرآن کریم ہمیں اسلام کی تبلیغ کا حکم تو دیتا ہے لیکن کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔جس کا ذکر سورۃ البقرۃ میں ملتا ہے۔

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (*Al Quran*, 2: 256)

"دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے"۔

یہود اور نصرانیوں کو غرور تھا کہ ان کے سوا کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا۔اس بات کے علم کے باوجود کہ وہ غلط ہیں ان سے بھی قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ صحیح ہیں تو دلیل پیش کریں یعنی انھیں بھی آزادی رائے کا

[1] Abu-Dawood, *Sunan Abu Dawood*, H.4344.

حق دیا گیا۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ (*Al Quran*, 2: 111)

"اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جانے کا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطل ہیں۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو"۔

2. عہدِ نبوی میں آزادیِ رائے کا تصور:

اسلام میں آزادی رائے کی اہم بنیاد مشورے کا اصول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کو فکر و رائے کی مکمل آزادی دیتے تھے۔ آپ ﷺ اجتماعی معاملات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرتے تھے۔ جنگوں کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے نہ صرف مشورہ کیا بلکہ ان پر عمل بھی کیا۔

رسول کریم ﷺ نے جہاں مشورہ لینے کی ترغیب دی وہیں ہمیں یہ بھی بتایا کہ مشیر میں کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ[2]

"مشیر جس سے مشورہ لیا جاتا ہے اس کو امانت دار ہونا چاہئے"۔

2.1. جنگ بدر کے موقع پر پڑاؤ ڈالنے پر صحابہ کا مشورہ:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے ذہنی آقا و غلامی کے تعلق کے بجائے دوستانہ تعلق قائم فرمایا۔ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہو جایا کرتی تھی اس میں تو صحابہ سنتے اور اطاعت کرتے لیکن جہاں معاملہ دین کے کسی حکم کا نہ ہوتا وہاں ان کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے سے مختلف رائے پیش کرنا بھی کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔

"بدر میں نبی ﷺ نے اوّل اوّل جس مقام پر پڑاؤ ڈالا جنگی مصلحت کے لحاظ سے وہ کچھ نامناسب تھا۔ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اس پر سوال اٹھایا کہ آپ ﷺ نے یہ وحی الٰہی کے اشارے سے کیا ہے یا محض ذاتی صوابدید سے۔ جب آپ ﷺ نے واضح فرمایا کہ آپ نے محض جنگی مصلحت سے ایسا کیا ہے۔ تو آپ نے

[2] Tirmazi, *Jamia Tirmazi*, V.2,P.234.

اختلاف کیا اور چشمے پر پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا بالآخر صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد یہی رائے قرار پائی اور اسی پر نبی کریم ﷺ نے عمل فرمایا"۔[3]

رسول اکرم ﷺ نے جس قسم کے معاملات میں صحابہ سے مشورے لیے ہیں ان کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ان میں جنگی، سیاسی، اقتصادی، اور سماجی ہر قسم کے معاملات داخل ہیں۔

2.2. جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ:

بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسولِ کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا کہ

"اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارے قبضے میں دے دیا ہے بتلاؤ کہ کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمر بن خطابؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں۔آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا اب کی دفعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہماری رائے میں تو آپ ان کی خطا سے در گزر فرمالیجیے۔اب آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے غم کے آثار جاتے رہے۔آپ نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔"[4]

2.3. غزوۂ احزاب اور اختلاف رائے:

غزوۂ احزاب کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے غطفان کے سامنے پیش کش کرنا چاہی کہ اگر وہ جنگ سے بعض آجائیں تو آپ ان کو مدینے کے پھلوں کا ثلث حصہ سالانہ دیتے رہیں گے۔اس کے لیے ایک معاہدہ کا مسودہ بھی قلم بند ہو چکا تھا لیکن جب آپ ﷺ نے اس معاملے میں صحابہ، خصوصاً انصار کے سرداروں (سعدؓ بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ) سے مشورہ کیا تو انھوں نے اس سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا اور کہا کہ ہم تو صرف ان سے تلوار سے بات کرنا چاہتے ہیں۔بالآخر نبی ﷺ نے صحابہ کی رائے قبول فرمائی اور معاہدے کا مسودہ چاک کرادیا۔"[5]

2.4. جنگ احد اور نوخیز صحابہ کرامؓ کی رائے:

جنگ احد کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنی رائے کے خلاف نوجوان صحابہ کی رائے کے مطابق شہر سے باہر نکل کر مقابلہ فرمایا اس واقعہ کا ذکر سیرت النبی ﷺ کی کتاب میں یوں ملتا ہے۔

"آنحضرت ﷺ کو جب جنگ کی خبریں پہنچیں تو آپ ﷺ نے 5 شوال 3 ہجری کو دو خبر رساں جن

---

[3] Ibn-Saad, *Al-Tabqat Ul Kubra*, V.3, P.54.

[4] Hanbal, Musnad e Ahmed, V.3, P.243.

[5] Ibn-Saad, *Al-Tabqat Ul Kubra*, V.3, P.111.

کے نام انس اور مونس تھے خبر لانے کے لیے بھیجے ،انھوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے اور مدینے کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے حباب بن منذرؓ کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ انھوں نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ چونکہ شہر پر حملے کا اندیشہ تھا ہر طرف پہرے بٹھا دیے گئے حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعے میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن اُبی بن سلول جن کو اب تک کبھی شریک مشورہ نہیں کیا گیا تھا اس نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن ان نوخیز صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے ،اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے بعض آتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں دیتا کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔"[6]

2.5. حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنے شوہر سے علیحدگی کا فیصلہ:

اسلام نے فکر و نظر کی آزادی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ آزادی رائے کا احترام کیا ہے۔ اور ہر کس و ناکس کو اپنی بات رکھنے کا حق دیا ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد سے لے کر عہد بنو امیہ اور بنی عباس تک کی پوری اسلامی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے ، جن سے یہ معلوم ہوتا ہے اسلام نے کہ کس درجہ شدت کے ساتھ حریت رائے کے تصور کی پرورش کی ہے۔ اور اس کو انسانی معاشرے کا لازمی جزو بنانے کی سعی کی ہے۔ اسلام نے صرف آزاد مرد و خواتین ہی نہیں بلکہ غلاموں کو بھی اس حق سے محروم نہیں رکھا ہے۔

سیدہ عائشہؓ نے جب بریرہؓ کو خرید کر آزاد کیا تو اس موقع پر انہیں اسلامی قانون کی حیثیت سے یہ حق حاصل تھا کہ وہ خاوند سے علیحدگی حاصل کر لیں۔ وہ اپنے خاوند کو سخت ناپسند کرتی تھیں جبکہ ان کے خاوند ان سے بہت محبت کرتے تھے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کو برقرار رکھنے کی سفارش کی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ اس واقع کا ذکر صحیح بخاری میں ملتا ہے۔

" عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، "أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ: مُغِيثٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا

[6] Shibli, *Seerat Ul Nabi*, P. 213.

يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعبَّاسٍ: يَا عَبَّاسُ، أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ راجعتیہ،قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، تَأْمُرُنِي ؟ قَالَ: إِنَّمَا أَنَا أَشْفَعُ، قَالَتْ: لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ".
(Bukhari 2004, H. 5238)

"ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے اور ان کا نام مغیث تھا۔ گویا میں اس وقت اس کو دیکھ رہا ہوں جب وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے روتے ہوئے پھر رہے تھے اور آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو رہی تھی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: عباس! کیا تمہیں مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر حیرت نہیں ہوئی؟ آخر نبی کریم ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کاش! تم اس کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل دیتیں۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ مجھے اس کا حکم فرمارہے ہیں یا اس کی سفارش کر رہے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف سفارش کر رہا ہوں۔ انہوں نے اس پر کہا کہ مجھے مغیث کے پاس رہنے کی خواہش نہیں ہے۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

2.6. غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے:

غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ اس واقعہ کو مفتی محمد شفیع نے معارف القرآن میں اس طرح نقل کیا ہے:

"رسول اللہ ﷺ کو متحدہ محاذ کے حرکت میں آنے کی اطلاع ملی تو سب سے پہلا کلمہ جو زبان مبارک پر آیا یہ تھا "**حسبنا اللہ و نعم الوکیل**" یعنی ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی ہمارا بہتر کارساز ہے۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار کے اہل حل و عقد کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیا اگرچہ صاحبِ وحی کو درحقیقت مشورہ کی ضرورت نہیں ہوتی وہ براہ راست حق تعالی کے اذن و اجازت سے کام کرتے ہیں مگر مشورے میں دو فائدے تھے ایک امت کے لیے سنت جاری کرنا دوسرے قلوبِ مومنین میں باہمی ربط و اتحاد کی تجدید اور تعاون و تناصر کا جذبہ بیدار کرنا اس کے بعد جنگ کے مادی وسائل پر غور ہوا۔[7]

مجلس شوریٰ میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی شامل تھے جو ابھی حال ہی میں ایک یہودی کی غلامی سے نجات

[7] Shafi, *Muaraful Quran*, P. 102.

حاصل کر کے اسلامی خدمات کے لیے تیار ہوئے تھے۔انھوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے بلاد فارس کے بادشاہ ایسے حالات میں دشمن کا حملہ روکنے کے لیے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرما کر خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور بنفس نفیس خود بھی اس کام میں شریک ہوئے۔"[8]

اس واقعہ سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو آزادی رائے کا حق دیا بلکہ مشورے کی صورت میں ایسا طریقہ جنگ بھی اپنایا جو کہ ایرانیوں کا تھا۔

صحابہ کرام سے مشورے کا حکم محض صحابہ کی دلداری اور حوصلہ افزائی ہی کے لیے تھا یا اس کی کوئی قانونی اہمیت بھی تھی اور ایسا کرنا نبی ﷺ کے لیے ضروری تھا؟ اس سوال کا جواب فقہ حنفی کے مشہور ماہر حجتہ الاسلام ابوبکر جصاص رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب 'احکام القرآن' میں مندرجہ ذیل الفاظ میں دیا ہے:

وغیر جائزان یکون الامر بالمشاورة علی جهه تطییب نفوسهم ورفع اقدارهم ولتقتدی الامة به فی مثله لانه لوکان معلوما عندهم انهم اذااستفرغوا مجهودهم فی استنباط ما شوروا فیه وصواب الرأی فیما سئلوا عنه ثم لم یکن ذالک معمولا علیه ولا متلقی منه بالقبول بوجه لم یکن فی ذالک تطییب نفوسهم ولارفع اقدارهم بل فیه ایحاشهم واعلامهم بان آراء هم غیر مقبولة ولا معمول علیها۔[9]

"اور یہ بات ناجائز ہے کہ صحابہ سے مشورہ کرنے کا یہ حکم محض صحابہ کی دلداری اور ان کی عزت افزائی کے خیال سے دیا گیا ہو یا محض اس خیال سے دیا گیا ہو کہ اس طرح کے معاملات میں امت کو آپ کے اس طریقے کی اقتدا کرنے کی تعلیم دی جائے۔حالانکہ صحابہ کو اگر یہ علم ہوتا کہ جب وہ زیر مشورہ امور میں اپنا سر کھپا کر کوئی رائے قائم کریں گے تو نہ تو اس پر عمل ہی ہو گا اور نہ ہی کسی پہلو سے اس کی قدر ہی کی جائے گی تو دلداری اور عزت افزائی کے بجائے الٹا اس کا اثر ان پر یہ پڑتا کہ وہ اس سے متوحش ہوتے اور سمجھتے کہ ان کی آراء نہ قبول

[8] Al-Tibri, *Tarikh Ul Tibri*, V.2, P.91.
[9] Al-Razi, *Ahkam Ul Quran*, V.2, P.49.

کیے جانے کے لیے ہیں، نہ عمل کیے جانے کے لیے، بلکہ محض پیش کیے جانے کے لیے ہیں"۔

2.7. نماز کے لیے بلانے یعنی اذان کا طریقہ طے کرنا:

آزادی رائے کی ایک شاندار مثال حیات طیبہ سے یہ بھی ملتی ہے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا تھا اور مسلمان دور دراز کے علاقوں میں آباد ہونا شروع ہوئے تو اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ نماز کے وقت پر اس کے اعلان کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے کہ جس سے سب مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہو کر نماز ادا کریں چنانچہ اس شدید ضرورت کے تحت حضور ﷺ نے اس جانب اپنی توجہ مبذول فرمائی اور صحابہ کرامؓ سے مشورے کئے جس کا تذکرہ صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث سے ملتا ہے۔

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ، يَقُولُ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادَى لَهَا، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ".[10]

"عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان (ہجرت کرکے) مدینہ پہنچے تو وقت مقرر کرکے نماز کے لیے آتے تھے۔ اس کے لیے اذان نہیں دی جاتی تھی۔ ایک دن اس بارے میں مشورہ ہوا، کسی نے کہا نصاریٰ کی طرح ایک گھنٹہ لے لیا جائے اور کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح نرسنگا (بگل بنالو، اس کو پھونک دیا کرو) لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی شخص کو کیوں نہ بھیج دیا جائے جو نماز کے لیے پکار دیا کرے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی رائے کو پسند فرمایا اور بلال سے) فرمایا کہ بلال! اٹھ اور نماز کے لیے اذان دے"۔

اسلام کا یہ اصول مشاورت اجتماعی فیصلوں کی مستقل اساس ہے نبی اپنے منصب اور اپنی بعثت کے لحاظ سے مشورے کا محتاج نہیں ہوتا کیوں کہ اسے براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہدایت ملتی ہے۔ مگر نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر نگاہ دوڑائیں تو اپنے معاملات زندگی کے ہر پہلو پر مشاورت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مشاورت دراصل صحابہ کے لیے

[10] Bukhari, *Al Jamia Al Sahih Al Bukhari*, 5:H.604.

ایک دعوت و ترتیب کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ بھی اسی اصول مشاورت کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کرتی دکھائی دیتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

"میری نظر میں کوئی ایک شخص ایسا نہیں ہے جو حضور ﷺ سے زیادہ اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے والا ہو"۔[11]

خلافت راشدہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ عنہ نے بھی نو پیش آمدہ معاملات طے کرنے کے لیے یہی اسلوب اختیار کیا کہ آپؓ سب سے پہلے قرآن اور پھر سنت میں اس کا حل تلاش کرتے اور اگر مسئلہ کا حل نہ ملتا تو علماء کو بلاتے اور ان سے مشورہ طلب کرتے پھر اگر ان کا اتفاق ہو جاتا تو اس فیصلے کو نافذ کر دیتے تھے۔

ابو بکر صدیقؓ صحابہؓ کے مشورے سے ہی معاملات چلایا کرتے تھے اور تمام صحابہ کو کھلے عام اپنی رائے کے اظہار کی آزادی حاصل تھی۔

3. فاروق اعظم اور ابو عبیدہ بن الجراح کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سوداگری کا پیشہ ترک کرنے کی رائے:

"حضرت ابو بکر صدیقؓ قبل از خلافت سوداگری کرتے تھے جب آپؓ خلیفہ ہو گئے تو فاروق اعظم اور ابو عبیدہ بن الجراح نے کہا اب آپ مسلمانوں کے سردار ہو گئے ہیں اس پیشے کو جاری نہیں رکھ سکتے کیوں کہ اس سے کاروبار سلطنت میں حرج ہوتا ہے آپؓ نے فرمایا پھر میرے بال بچے کیا کھائیں گے؟ انھوں نے کہا مجلس شوریٰ میں جو فیصلہ ہو گا اس پر آپ کو عمل کرنا ہو گا چنانچہ جملہ اصحاب کبار کے مشورے سے دو یا ڈھائی ہزار درہم سالانہ گزارے کے لیے بیت المال سے مقرر ہوئے۔ جو آپؓ کی وفات تک چھ ہزار درہم کی تعداد تک پہنچ گئے۔"[12]

4. حضرت ابو بکر صدیقؓ کا پہلا خطبہ خلافت اور آزادی رائے کا حق:

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جس وقت خلافت سنبھالی انھوں نے آزادی رائے کا حق دیتے ہوئے فرمایا۔

"یا ایھاالناس! فانی قد ولّیت علیکم و لست بخیرکم فان احسنت فاعینونی و ان اسأت فقومونی، الصدق امانة و الکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح علیه حقه انشاء الله ،

[11] Behaqi, *Al Sunan Al Kubra*, V.5, P.87.
[12] Ibrahim, *Abu Bakar Apny Aosaf Wa Farmudat Ky Ainay Men*, P. 52.

والقوی فیکم ضعیف عندی حتی أخذ الحق منه انشاء الله، لا یدع قوم الجهاد فی سبیل الله الا ضربهم الله بالذل ، ولا تشیع الفاحشة فی قوم الا عممهم الله بالبلاء و اطیعونی ما اطعتُ الله و رسوله فاذا عصیت الله و رسوله فلا طاعة لی علیکم فقوموالی صلاتکم یرحمکم الله" ۔[13]

"صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں ، حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کروں تو میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کردو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے، ان شاء اللہ تمہارا ضعیف فرد میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک میں اس کا حق واپس دلادوں ، ان شاء اللہ اور تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلادوں ، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑدیتی ہے اس کو خدا ذلیل و خوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہوجاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کردیتا ہے، میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، لیکن جب خدا اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں ، اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ، خدا تم پر رحم کرے۔"

5.دور عمر فاروقؓ اور آزادی رائے:

خلیفۃ الرسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آزادی رائے کی اسی اہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کی معمولی سے معمولی آدمی کو خود خلیفۂ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا.. ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے کہا "اتق اللہ یاعمر"(یعنی اے عمر ! خدا سے ڈر).. حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا.. حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا.. "نہیں کہنے دو.. اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم."

یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں.. ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے.. ایک

[13] Nadvi, *Seerat e Sahabah*, V.1, P.41.

عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا اور کہا.. "اتق اللہ یاعمر.." اس کا اعتراض صحیح تھا.حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ "ایک عورت بھی عمر سے زیادہ جانتی ہے "۔[14]

حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم وثبات کا مجسم بنادیا.

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا مشہور واقعہ ہے آپ دو چادروں پر مشتمل لباس پہن کر جمعہ کے خطبے کے لیے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ کے پاس دو چادریں کہاں سے آگئیں جبکہ ہم سب کو تو مال غنیمت سے ایک ایک چادر ملی ہے آپ نے خود جواب دینے کے بجائے اپنے بیٹے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا اشارہ کیا انہوں نے اٹھ کر بتایا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر اباجان کو دے دی ہے۔ آپ نے اعتراض کرنے والوں کو گستاخ قرار نہیں دیا۔

جنگی تیاری یا زمینوں کے انتظام کا معاملہ ہو،مال غنیمت سے لے کر عوام کی فلاح و بہبود کا معاملہ ہو ہر مسئلہ پر لوگ اپنی رائے پیش کرتے تھے جس شخص کی رائے صاحبین مجلس کو قائل کر لیتی اسی کی رائے پر فیصلہ نافذ ہوتا۔

6.دینی روایت میں برداشت کا عنصر:

6.1.رواداری

کسی بھی مہذب معاشرے کی سب سے بڑی خوبی رواداری ہوتی ہے۔ رواداری کا مطلب ہے کہ ایک انسان اپنے خیالات اور نظریات منوانے کے لیے دوسروں پر زبردستی نہ کرے تاکہ وہ بھی آزادی کے ساتھ اپنے نظریات وعقیدے کا اظہار کر سکیں اس معاملے میں سختی معاشرے میں گھٹن پیدا کرتی ہے تعصب اور تنگ نظری راہ پاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فکری اور تعمیری نشو نما رک جاتی ہے۔اپنے نظریات کو دوسروں تک پہنچایا ضرور جاسکتا ہے لیکن کسی کو ان پر ایمان لانے یا عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

6.2. تحمل

دینی روایات میں دوسرا اہم عنصر تحمل و برداشت ہے۔اسلام کے اخلاقی اقدار میں تحمل ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جو کسی بھی شخصیت کا حسن ہو سکتی ہے۔ حلیم وطبع شخص دوسروں کی رائے برداشت کر سکتا ہے تحمل طبیعت کی وہ صفت ہے جس سے انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار اور اشتعال انگیز شخص اور واقعہ کے روبرو انسان اپنے

[14] Nadvi, P. 133,134.

آپ پر نہ صرف قابو رکھے بلکہ عفو و در گزر سے بھی کام لے دوسروں کی رائے کو اہمیت دیتے ہوئے صبر و تحمل سے سنے اور آزادی رائے کو ملحوظ خاطر رکھے۔ کیوں کہ اسلام ہر حال میں قوم اور معاشرے کو مذہبی آزادی رائے کا اختیار دیتا ہے۔

7. آزادی رائے کی حدود:

اسلام نے آزادی رائے کو جائز و لازم قرار دیا ہے۔ سیاسی امور میں بھی اسلام باہمی مشورہ کی تاکید کرتا ہے مگر اس کے ساتھ وہ اس کی حدود بھی طے کرتا ہے۔ آزادی رائے اگر معقول حدود میں ہو تو وہ مثبت نتائج پیدا کرتی ہے ۔اگر یہ بے لگام اور بے مہار ہو تو یہ ہزاروں فتنے پیدا کر سکتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اس آزادی کو مختلف پابندیوں اور اخلاقی ضابطوں سے محدود کرنا پڑتا ہے۔ خلفائے راشدین کے دور میں ہر مسلمان کو آزادی رائے اور حکومت پر نکتہ چینی کا پورا پورا حق حاصل تھا جسے وہ اپنا دینی فرض سمجھتا تھا تاریخ اسلام میں کئی ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے کہ جس میں عام مسلمانوں نے نہ صرف خلفاء کو آزادانہ رائے دی اور ان کی گرفت بھی کی جسے انھوں نے نہ صرف کھلے دل سے قبول کیا بلکہ ان کی آزادی رائے اور تنقید کی حوصلہ افزائی بھی کی۔

8. حضرت عثمانؓ اور عوام کی آزادی رائے کا احترام:

حضرت عثمانؓ نے عبداللہؓ بن ابی سرح سے وعدہ کیا کہ افریقہ کی فتح کے صلہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام میں دیا جائے گا اس لیے عبداللہؓ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لے لیا لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے عبداللہؓ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ میں نے بے شک وعدہ کیا تھا لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے مجبوری ہے۔[15]

9. آزادی فکر اور امام ابو حنیفہؒ:

امام ابو حنیفہ بھی آزادی رائے کے قائل تھے اور ان کے فیصلے بھی مجلس شوریٰ پر مشتمل تھے۔ مجلس شوریٰ میں مسائل پر بحث ہوتی جب کوئی مسئلہ تحقیق و تفتیش کے مراحل طے کر لیتا تو پھر آپ اسے لکھواتے تھے۔

"امام ابو حنیفہ نے ایک دن امام ابو یوسف سے فرمایا اے یعقوب جو مجھ سے سنا کرا سے فوراً ہی نہ لکھ لیا کرو کیوں کہ کبھی ایک مسئلے کے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ ہو جاتی ہے"۔[16]

---

[15] Nadvi, V.1, P.188.
[16] Zafar, *Al Tareeq Ul Isalam Sharah Musnad Imam e Azam*, P. 42.

اس روایت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کا مسلک شورائی مسلک ہے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے صرف اپنی رائے پر مسائل تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس بات کی پوری آزادی دی کہ شوریٰ کے ارا کین بہت خوشی سے اپنی رائے پیش کریں پھر اس پر جراح وقدح ہو اس کے بعد اگر سمجھ میں آجائے تو اس کو قبول کر لیں۔

اس کے بر عکس ہمارے آج کے معاشرے میں استاد سے شاگرد کے اختلاف کو بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ ہمارا معاشرہ ہر اس شخص کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے جو علمی دلائل کی بنا پر اختلاف کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے اس حد تک مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رائے سے رجوع کرے یا پھر انتہائی اقدام جو معاشرے کی طرف سے کیا جائے گا وہ اس کے لیے تیار رہے۔

حضور اقدس ﷺ کے دور میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی مدد سے مجلس مشاورت قائم کر رکھی تھی کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے آپ ﷺ صحابہؓ سے بھی مشورہ کرتے ان کی رائے جانے بغیر اکیلے ہی فیصلہ نہ دیتے تھے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اچھے منتظم میں یہ صفت نمایاں طور پر ہو کہ وہ خود کو ہی حاکم نہ جانے بلکہ معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے اپنے وزراء سے بھی مشورہ کرے اور انھیں اپنی رائے پیش کرنے کی مکمل آزادی دے۔ کیوں کہ اس طرح بعض اوقات مشورہ دینے والے زیادہ اچھا فیصلہ کرواتے ہیں۔ اس لیے منتظم کو چاہئے کہ وہ ایک مجلس مشاورت بنائے جس میں ہر مسئلہ کا حل مشورے سے کیا جائے۔ اسلامی معاشرے میں اس کی بے حد اہمیت ہے۔ حسن نیت و استعداد کے ہوتے ہوئے اختلاف آراء نا کوئی عیب ہے نہ کوئی جرم بلکہ دور رسالت سے لے کر اب تک تا حال پایا جاتا ہے۔ فروعی مسائل میں اختلاف آراء فطرت کا تقاضا ہے اہل علم اور صاحب صلاحیت لوگوں کا عالمانہ، دیانتدارانہ اختلاف، جو اختلاف رائے کے باوجود ایتلاف کو برقرار رکھے، عداوت و حسد کی ظلمت سے بچائے رکھے باعث رحمت ہے۔

10. علامہ اقبال اور آزادی فکر:

علامہ اقبال بھی آزادی رائے کے علمبردار تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آزادی کسی بھی قوم کا وہ بیش بہا سرمایہ افتخار ہوتا ہے جو اس قوم کی زندگی اور اس کے تابناک مستقبل کا ضامن حیات ہوتا ہے۔ غلام قومیں اور محکوم افراد پر مشتمل معاشرے اپنی اصل حیات سے محروم ہو جاتے ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں:

‘‘Modern Islam is not bound by this voluntary surrender of intellectual

independence."[17]

"عہد حاضر کے مسلمان کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ وہ اپنی ذہنی آزادی سے خود دست بردار ہو جائیں"۔

اسلام کسی بھی انسان کو کسی بھی فکر کے جبراً تابع نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی فکری آزادی کو سلب کرتا ہے۔ بقول اقبال:

ہے کس کی یہ جرات کہ مسلمان کو ٹوکے
حریت افکار کی نعمت ہے خداداد ![18]

علامہ اقبال آزادی فکر کے قائل ہیں لیکن کچھ حدود کے ساتھ کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ہی وہ ماخذ ہے جو صحیح، قابل عمل اور قابل قبول آزادی افکار و فکر عطا کرتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خسارہ.[19]

اقبال چاہتے ہیں کہ تقلید کے بجائے مسلمان سچائی کی تلاش کے لیے تحقیق کے راستے پر چلیں جو بظاہر پر خار کٹھن اور طویل تو ہے مگر اس کو اختیار کیے بغیر منزل بہت دشوار ہے اقبال ان ہی خیالات کا اظہار اپنی شاعری میں یوں بیان کرتے ہیں۔

حلقہ شوق میں وہ جراتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق[20]

اقبال نے صداقت اور تحقیق کی تلاش پر اپنے کلام میں بہت زور دیا ہے اقبال جانتے تھے کہ برصغیر میں علماء، صوفی، اور استاد کسی کو آزادی اظہار کا حق دینے کے لیے تیار نہیں اور وہ اسی تقلیدی روش پر چلنا چاہتے ہیں۔

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملاء کے غلام اے ساقی[21]

11. نتیجہ:

[17] Iqbal, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, P. 143.
[18] Iqbal, *Zarb e Kaleem*, P.49.
[19] Iqbal, *Kulyat e Iqbal*, P. 667.
[20] Iqbal, *Zarb e Kaleem*, P. 18.
[21] Iqbal, *Bal e Jibreel*, P. 12.

اسلام ایک دین فطرت ہے جو فطرت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے اسلام میں اظہار کی آزادی محض ایک انسانی حق ہی نہیں، بلکہ یہ امت مسلمہ کا دینی اور اخلاقی فرض بھی ہے عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے دور سے لے کر عہد بنی امیہ اور اس کے بعد کی پوری اسلامی تاریخ ایسے حقائق سے لبریز ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے نہ صرف آزادی رائے کی پرورش کی ہے بلکہ اس کو انسانی معاشرے کا لازمی جزو بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے صرف آزاد مرد و خواتین کو ہی نہیں بلکہ غلاموں کو بھی اس حق سے محروم نہیں رکھا بس اتنی شرط ضرور عائد کی ہے کہ آزادی رائے اسلامی اقدار کے منافی نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اسلام آزادی فکر نظر کا امین اور داعی ہے۔